بچّوں کی تعلیم وتربیت

تربیتِ اہل وعیال کا مبحث بڑا وسیع ہے۔ یہ تو گویا ایک چھوٹی سی ریاست کا نظامِ کار ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اہلِ دین کو کام کرنا چاہیے۔

دین کا اوّلین تقاضا تو اس فرد سے اطاعت، تعاون اور قربانی کا ہے جو اسے دل وجان سے سوچ سمجھ کر قبول کرے۔ جس شخص نے دینِ حق کو سچائی سے قبول کیا ہو اس کی نشانی یہ ہے کہ کم سے کم اس کی اپنی زندگی کے تمام اختیاری گوشے اسلامی رنگ میں رنگ جائیں گے۔ اس کا ہمہ وقتی مقصد، اس کے لین دین، اس کی دوستیاں، اس کی گفتگوئیں، اس کا ذوق وشوق، اس کی عادات واطوار، اس کا رہن سہن، اس کا گھر والوں اور گھر کے باہر کے لوگوں سے طرزِ معاملہ پوری طرح بدل جائے گا، خواہ تدریجاً! مگر ہوگا یہ کہ وہ اپنی زندگی کی ہر خلافِ اسلام چیز کو اپنے لیے وجہِ اذیت سمجھ کر اپنے آپ سے الگ کرے گا اور ایمان وکردار کو نقصان پہنچانے والی یا آخرت کے خسارے کا باعث بننے والی ہر ادنیٰ چیز سے وہ اس طرح بھاگے گا جیسے سانپ اور بچھو سے بھاگا جاتا ہے۔ غلط اساس کی عمارات اس کے لیے زنداں بن جائیں گی۔ غلط معاش کا روپیہ پیسہ اس کے لیے آگ کا انگارا بن جائے گا، غلط رویے اور تعلقات اور بناوٹی دوستیاں دشمنیاں اور مفاد پرستانہ قرابتیں اسے دہتی زنجیریں محسوس ہوں گی۔

ایک سچا مسلمان اس دن مسلمان بنتا ہے جس دن وہ یہ سوچتا ہے کہ میں اپنے خدا کی عبادت کے ساتھ اس کی مخلوق کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ میں اپنے رفقائے سفر سے کس طرح ہم دلی اختیار کرسکتا ہوں۔ میری طرف سے کسی کو اذیت تو نہیں پہنچ رہی ہے۔ میرا گھر باعثِ آزار تو نہیں۔ وہ سوچتا ہے، وہ کریدتا ہے، وہ تجزیہ کرتا ہے، وہ ضرورت ہو تو پوچھتا ہے، شرعی مسئلہ

دریافت کرتا ہے اور زندگی کو کانٹے کے تول ٹھیک کر لیتا ہے۔ اگر بلڑ ارشتہ دار دوست، رفیق کی طرف جھک جائے تو وہ اسے نیکی سمجھتا ہے، ورنہ برابر رکھنے کو تو وہ فرض قطعی مانتا ہے۔

ایسا آدمی گھر کی عمارت پر، ساز وسامان پر، مکینوں پر، ان کی عادات پر، اپنی تقاریب پر، ملازموں پر، دیواروں پر آویزاں تصاویر پر، ڈیکوریشن کے سامانوں پر، اپنی تقاریب اور دوسروں کی تقاریب میں شرکت پر، لباس اور میک اپ پر، پردے اور حجاب پر، کھیلوں اور تفریحات پر، غرضیکہ ہر چیز پر گہری نظر ڈال کر خدا کے دین کی کسوٹی کے ذریعے فیصلہ لیتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے اور کیا کس طرح ہونا چاہیے۔

ایک اسلامی گھر (اور اسلامیت کا خانگی مرکز) وہ ہے جس میں داخل ہوتے ہی آنے والے کو احساس ہو کہ وہ ایک نئی دنیا میں داخل ہو گیا ہے۔ جس کے طور طریق بڑے شائستہ و مہذب اور پاکیزہ و سنجیدہ ہیں۔

ناشتے کے ساتھ یا بعد عصر، درس یا اجتماعی مطالعہ ہوتا ہے۔ راتوں کو حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے اسلامی اصول واحکام پر گفتگو ہوتی ہے۔ دیواروں پر اچھی اچھی مختصر تعلیماتِ کتاب وسنت آویزاں ہیں۔ قسم قسم کے ٹیپ کیے ہوئے مشاعروں نعتوں، قرآنی سورتوں، افسانوں اور ڈراموں اور شعروشاعری کے ریکارڈ حاضر ہیں۔ جابجا شیلف لگے ہیں۔ کہیں بچوں کے لیے دینی لٹریچر ہے، کہیں خواتین کے لیے، کہیں مردوں کے لیے اور کہیں وسیع جنرل نالج، عالمی احوال، فلاسفی، جغرافیے، تاریخ اور فنون کے علاوہ شعروسخن، افسانوں اور ناولوں کے مجموعے، مکاتیب اور سفرنامے اور کتبِ لغت موجود ہیں۔ دیواروں اور سیڑھیوں کے کناروں اور کارنروں پر دلکش ایمان افروز طغرے جلوہ گر ہیں۔ اچھے مناظر کی تصاویر آیاتِ الٰہی کے جلوے دکھا رہی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا نام سنائی دیتا ہے۔ استغفراللہ، الحمدللہ، انا للہ وغیرہ۔ اذانیں ہوتی ہیں۔ نمازوں کی تیاری ہوتی ہے۔ سارا گھر نماز پڑھتا ہے۔ ننھی سی بچی بھی ماں کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے۔ پانچ، چھ سال کا بچہ ابوّ سے تقاضا کرتا ہے کہ مجھے بھی مسجد تک لے چلیے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگلے ہفتے تمھیں لے کر گیا تھا۔ تم نے شور کیا، نماز میں بچوں کے ساتھ مل کر گڑبڑ کی، نمازیوں کے آگے سے گزرے، ان باتوں کی اصلاح کا سرٹیفکیٹ جب تمھاری امّی دے دیں اور سفارش کر دیں تو میں ضرور لے جاؤں گا۔ پھر دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ خاندان، محلے والوں، تعلق داروں اور خادمان

تحریک کے فوت شدگان، بیماروں اور پریشان حالوں یا بے روزگاروں کے متعلق۔ چھوٹے بچے اماں کے ساتھ ساتھ آمین کہتے ہیں۔

ملازمین خوش وخرم ہیں۔ مائی کام کرتی ہے۔ اسے تنخواہ بھی مناسب ملتی ہے، کپڑے وغیرہ بھی، کچھ کھانا بھی، خاص خاص حالات مثلاً بیماری وغیرہ کے لیے خصوصی امداد بھی۔ کوئی اسے گالی نہیں دیتا، کوئی جھڑکتا نہیں، کوئی کام کا بار زیادہ نہیں ڈالتا۔ بے جا حکم نہیں دیے جاتے۔ وہ ایسے ہے جیسے کوئی گھر کا آدمی ہو۔ اسی طرح باہر کے کاموں کے لیے ایک بوڑھا سا مرد ہے۔ سودا یا دوائی لاتا ہے یا پیغام وغیرہ کہیں پہنچاتا ہے۔ کسی بچے کے ساتھ اسکول جاتا ہے یا اسکول سے لاتا ہے۔ سکھ چین ہے، کوئی زیادہ تنخواہ پر بھی لے جانا چاہے تو وہ اس گھر کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اصلاح کے لیے پہلی توجہ

گھر کو اسلامی گھر بنانے کے لیے پہلی توجہ کسی بھی شادی شدہ مرد کو اپنی بیوی پر دینی چاہیے۔ زبانی دعوت، مطالعہ کے لیے کتب کی فراہمی یا پڑھ کر سنانا، قرآن کے مطالب کا شعور دلانا، گھر کا دینی واخلاقی لحاظ سے آئیڈیل خاکہ متفقہ طور پر تیار کرنا، اسراف وتبذیر سے بچ کر نظامِ مصارف کا نقشہ تیار کرنا۔ سادگی کے ساتھ گھر میں ہر پہلو سے صفائی کا ہونا۔ جدید آسائشات و آرائشات کی فراوانی سے پرہیز۔ لباس کو خود بھی سادہ رکھنا اور بچوں کو بھی اس کی تربیت دینا۔ مہمان داری کے اصول، بیماری اور تیمارداری اور غذائیات کی رہنمائی اور پھر ایک ایسی مجموعی فضا جس میں اہمیت خدا کی عبادت، توسیعِ علم، حسنِ اخلاق، حسن گفتار اور صدقہ وانفاق کو حاصل ہو۔

گھر کو اسلام کے رنگ میں رنگنے اور مہذب وشائستہ فضا سے آراستہ کرنے کے لیے اہم ترین مسئلہ بچوں کی ذہنی واخلاقی تیاری کرانے کا ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ ماں اور باپ دونوں نہایت اہتمام سے مل جل کر گھریلو زندگی کا فریضہ ''نمبر ایک'' ادا کریں، جس کے لیے محنت و قربانی کی ضرورت ہے اور یہ ایک طرح کی مسلسل نگہداشت اور عرق ریزی اور جانفشانی ہے۔ اس فریضہ کی کٹھنائیوں میں والدین اگر خود انضباطی سے کام لے کر مستقلاً خوئے علم سے کام لیں اور چہروں پر غصہ کی حالت میں بھی مسکراہٹوں کے پھول کھلائے رکھیں تو وہ اپنا فرض پوری کامیابی سے ادا کر سکیں گے۔

معروف حقائق

والدین خصوصاً ماں کے اعصاب میں اگر تناؤ زیادہ رہے، غصہ زیادہ آئے، فحش فلموں اور ناولوں سے دل چسپی رہے اور زبان پر گھٹیا باتیں آتی رہیں، دوسروں سے ردّوکد ہوتی رہے، شور سے بولنے کی عادت ہو، مسکراہٹ سے چہرہ خالی رہے، نماز روزہ اور ذکرِ خدا اور رسولؐ سے اور قصص الانبیاء اور تاریخِ اسلام کے زرّیں واقعات اور درخشاں شخصیتوں سے کوئی رابطہ نہ رہے تو بچے کے نظامِ سیرت و اخلاق کی بنیاد غلط پڑ جائے گی۔ بعد کی ابتدائی عمر میں بھی اسے آوازوں سے، ہاتھ لگائے جانے سے، بے توجہی اور توجہ دہی سے، ضروریات کی تکمیل سے، صفائی کا بار بار اہتمام کرنے سے، کچھ لوریاں اور اشعار پڑھنے سے، کچھ آیات اور دعائیں گنگنانے سے بچے پر بڑے گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ اونچی آوازیں، درشت لہجے، سختی سے مس کرنے والے ہاتھ، ضروریات اور ان کے اوقات سے لاپرواہی برتنے والی مائیں یا دوسرے لوگ، ان کے رونے کے الارم پر بے توجہی کا رویہ، لغو قسم کے کلمات بالعموم کہنا، گالی کسی کو بھی دینا، کوئی چپت وغیرہ لگا دینا، یہ سب گویا ایک اچھے خاصے ابھرتے ہوئے انسان کو برباد کر دینے کا آغاز ہے۔

بچوں کی تربیت کا اصل سانچہ چونکہ خود آپ کے انداز و اطوار ہیں، اس لیے جس دن یہ احساس ہو جائے کہ اس گھر میں خدا اپنی کسی امانت کو بھیجنے والا[۱] ہے۔ اسی دن سے آپ میاں بیوی

---

[۱] یہ معلومات تو ہماری قدیم طب میں بھی مذکور ہیں کہ حالتِ جنینی میں نشو و نما پانے والا وجود ماحول سے عموماً اور ماں کے ذہنی اور جسمانی حالات اور عادات سے بہ شدت متاثر ہوتا ہے، اس دور میں اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا، عبادت، دعا، ذکر، قرآن پڑھنا، نیک لوگوں کو تصورِ ذہن میں راسخ کرنا، اپنے آپ کو صحت مند اور خوش رکھنا اور دوسری طرف برے لوگوں، بری باتوں، بری غذاؤں، برے مطالعے اور برے خیالات و جذبات سے پرہیز کرنا اس دور میں اشد ضروری ہے۔ آج کل صوتی لہروں کے ذریعے جو حقائق سامنے آئے ہیں ان میں سے کچھ باتیں یہ ہیں۔ جان پڑنے کے بعد وجودِ نو تین آوازیں سنتا ہے اور ان سے اثر لیتا ہے۔ ماں کے دل کی دھڑکن کی آواز، پھیپھڑوں سے سانس لینے کی آواز، نظامِ ہضم سے پیدا ہونے والی آوازیں۔ علاوہ ازیں اس کے بولنے کی آواز - سخت یا نرم، کھری یا مترنم۔ یاد رہے کہ تلاوتِ قرآن یا حمدیہ، نعتیہ اور دیگر پاکیزہ نظمیں ترنم سے پڑھنا بھی اس پر اثر ڈالتا ہے۔ زور کا دھماکہ ہو تو چونک کر کان اس طرف لگا دیتا ہے۔ روشنی جدھر سے تیز تیز آئے اُدھر بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔ کبھی مضطرب ہو کر چیختا ہے، مگر ہوا نہ ہونے کی وجہ سے آواز نہیں سنائی دیتی۔ بعض احوال میں سخت بے قرار ہو کر زور سے ہاتھ یا پیر مارتا ہے۔ اب تو قلعۂ رحم میں رہتے ہوئے ہی اس کے بعض ٹسٹ لیے جا سکتے ہیں، کسی حصے کی تصویر لی جا سکتی ہے، ٹیکہ لگایا جا سکتا ہے۔ وغیرہ اس سے اندازہ کریں کہ انسانی زندگی بالکل ابتدائی حالت میں بھی کس قدر اثر لیتی ہے۔

یہ طے کرلیں کہ ہم آپس میں لڑیں گے نہیں، اونچا بولیں گے نہیں، تلخ لہجہ اختیار نہیں کریں گے، کوئی گالی زبان پر نہ آنے دیں گے۔ کبھی کوئی ادنیٰ جھوٹ بھی نہ بولیں گے، کسی درجے کی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ جہاں بسم اللہ کہنا ہے وہاں لازماً بسم اللہ کہیں گے، جہاں الحمدللہ کہنا ہے وہاں لازماً الحمدللہ کہیں گے، کسی نماز کو قضا نہ ہونے دیں گے، کوئی نماز فاٹ طریقے سے نہیں پڑھیں گے۔ گھر، کمرے، صحن، بستروں، کپڑوں، بالوں، ناخنوں، جوتوں سب کی صفائی کا انتہائی خیال رکھیں گے۔ یہ مرحلہ اگر ٹھیک سے طے ہوگیا تو بس آدھا کام ہوگیا۔

برطانیہ میں روایتی ماں اپنے بچے کو سال ڈیڑھ سال کی عمر ہی سے کھانے کی گھریلو مجلس میں شریک کرکے اس کی تربیت کرنے لگتی ہے۔ بچے کو معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی میز (خاص اونچی کرسی) پر بیٹھنے سے پہلے بب باندھنا ہے۔ پھر ماں بتاتی ہے کہ چھری اور کانٹے کو کس طرح رکھنا ہے۔ کھانا جاری رکھتے ہوئے کیسے؟ اور کھانا ختم کرتے وقت کیسے؟ پھر وہ کسی نپ کن یا ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتا ہے یہ تربیت بڑی باریکی سے کی جاتی ہے۔

پھر بچّے کی تربیت صفائی کے متعلق بہت ہی خاص ہوتی ہے اور گندگی اور میل کے خلاف اس کے دل میں نفرت بیٹھ جاتی ہے۔ وہ کبھی کوئی تنکا یا کاغذ راستے میں نہ پھینکے گا، بلکہ چند فٹ کے فاصلے پر رکھے ہوئے ڈرم میں ڈالے گا۔ وہ چلتے ہوئے مونگ پھلی کھاتے چھلکے نہ پھینکے گا، گنڈیریاں چوس کر ان کا کچرا نہ بکھیرے گا۔

پھر اس کی تربیت ایسی ہوتی ہے کہ جب وہ پانچ، سات یا دس سال کی عمر میں گھر سے نکلتا ہے تو وہ قطعاً ایسا نہیں ہوتا کہ وہ آس پاس لگی کیاریوں یا پارکوں میں پھول توڑ کر ان کی پتیاں بکھیرتا ہو — اس پر اس کی ماں اور اس کا باپ پولیس کی طرح نگہبان ہیں، مگر وہ غلط بات سے روکتے ہوئے بڑے پیار سے روکیں گے بلکہ دراصل گھر سے باہر نکلنے کے دور سے پہلے بچے کو یہ سکھایا جاچکا ہوگا کہ جو چیز تمھاری یا ہماری اپنی نہیں اسے تم نہ ہاتھ لگاؤ گے نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤ گے۔ یہ تعلیم اس کے ضمیر کو بیدار کردیتی ہے۔ اور آج آپ کو کافروں کی دنیا میں ایک مثال بھی نہ ملے گی کہ بچے اندھا دھند پھول توڑ رہے ہوں یا سڑک پر روڑے اچھال رہے ہوں یا گندگی بکھیر رہے ہوں یا دوسروں کی کھڑی گاڑیوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے ہوں۔ اس کے مقابلے میں ہمارے اسلامی اداروں کے اکثر طلبہ کا حال کتنا شرم ناک ہے۔

میں اسلام کی گود میں پلے ہوئے والدین سے کہتا ہوں کہ تمھارے پاس تو خود رسولِ کریمؐ کی تفصیلی تعلیم صفائی کے متعلق احادیث میں موجود ہے، آنگنوں کی صفائی، راستوں کی صفائی، کپڑوں کی، بالوں کی، دانتوں کی، برتنوں کی، پانی کی، لیکن یہ تمھارا کیا حال ہے کہ دنیا میں تمھارا ملک گندگی کے لحاظ سے نمبر ایک پر ہے۔ جس بدتمیزی سے فلش سسٹم اور بدروؤں اور مین ہولوں کا استعمال ہماری قوم کرتی ہے، شاید دنیا بھر میں وہ مقابلے میں تمغہ حاصل کر جائے یا نوبل پرائز، نالیاں بچوں کے، کموڈ بنی ہوئی ہیں۔ مین ہولوں کے ڈھکنے اٹھا کر سبزی فروش اپنی بچی ہوئی گندی سڑی سبزی اس میں ڈال دیتا ہے۔ گھروں سے نکل کر مائیاں کوڑا کرکٹ گلی کی نالی میں بہا دیتی ہیں۔

کیا ہمیں کبھی شرم نہ آئے گی کہ ہم مسلمان ہیں اور دنیا کے لیے شائستگی و تہذیب کے معلم! آپ کا بچہ گھر سے نکلتا ہے، اسے تین باتوں کی تاکید کیجیے، ایک یہ کہ اگر کسی کی گاڑی باہر کھڑی ہوئی ہو تو اسے چھیڑنا تو کجا اس کی طرف خاص نگاہ بھی نہ ڈالے، دوسرے کیاریوں میں باہر جو پھول لگے ہیں وہ چونکہ تمام آبادی کی مشترک ملکیت ہیں اور آنے والوں کی تواضع بھی ان کا ایک مقصد ہے، لہٰذا کسی پھول پتے کو نہ چھیڑیں، گھر کے باہر کی گلی ہو، یا پڑوسی کے مکان کی بیرونی کیاری ہو یا کوئی پارک یا قومی تفریح گاہ ہو کسی بھی جگہ ایمان دار اور دیانت دار والدین کے بچے کو کسی پودے، پتے اور پھول یا پھل کو نہیں چھیڑنا چاہیے، کسی درخت پر نہیں چڑھنا چاہیے، کسی درخت کی ٹہنیاں نہیں توڑنی چاہئیں۔ ان کے پتے نہیں بکھیرنے چاہئیں۔ کئی جگہوں پر اعلیٰ پھل دار درختوں کے کچے اور اصل سائز سے بہت چھوٹے پھلوں کو توڑ کر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ ان کا کھانا بھی مضر صحت اور ان کا ضائع کرنا بھی قدرت کی ایک نعمت کا ضائع کرنا ہے اور رزق اور آمدنی سے محرومی حاصل کرنا ہے۔ یہ ساری باتیں گناہ کی باتیں ہیں۔ دوسروں کے مال و املاک میں بلا اجازت تصرف کرنا گناہ ہے، چاہے کوئی چیز فرد کی ہو یا ایک محلے کی یا پوری بستی کی، یا قوم اور حکومت کی۔ جس چیز کا مالک آدمی خود نہیں ہے یا کسی بچے کے والدین نہیں ہیں اسے چھیڑنا یا نقصان پہنچانا یا اس سے زائد اجازت فائدہ اٹھانا گناہ کا کام ہے۔ سڑک آپ کی ذاتی ملکیت نہیں مگر آپ اس پر چل سکتے ہیں، لیکن سڑک کے بیچوں بیچ ہاکی گراؤنڈ بنا لینا ظلم و زیادتی ہے۔ درخت کے سائے میں آپ بیٹھ سکتے ہیں مگر اس کے ٹہنے کاٹنے یا اس کا پھل توڑنے یا پودوں کے پھول نوچنے کا کسی کو حق نہیں۔ بچے اگر اپنی نادانی کی عمر میں ایسی غلطیاں کریں تو انھیں اللہ

میاں معاف کر سکتے ہیں مگر ان کے والدین یا گھر والے یا اساتذہ یا امام وخطیب حضرات یا کسی آبادی کے سمجھ دار لوگ جو ان کی تربیت نہیں کرتے اور غلط حرکات سے ان کی روک ٹوک نہیں کرتے تو وہ اپنی کوتاہیوں کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ اور ذمے دار ہیں۔ اولاد کے بارے میں ذمے داری یہی نہیں کہ ان کو اچھا کھلا دیا، اچھا پہنا دیا، اچھے اسکول[۱] میں داخل کرا دیا، اسکول پہنچانے کے لیے سواری کا انتظام کر دیا۔ بلکہ ذمے داری یہ بھی ہے کہ آپ کا بچہ کسی کے لیے باعثِ تکلیف، کسی معاملے میں وجہ تخریب اور کسی خواہش کے لیے تہذیبی حد سے گزر جانے والا نہ ہو۔ اگر کوئی بچہ گھر میں پھول یا پھل لاتا ہے، ٹہنیاں اور پتے لاتا ہے، سکے لاتا ہے، کوئی کتاب یا مشین کا پرزہ لاتا ہے، تو گھر والوں کا کام ہے کہ وہ اس سے معلوم کریں کہ فلاں چیز کیسی ہے؟ کہاں سے لائے ہو، پھر اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی ٹہنی، پھول، پیسہ، پھل بچہ ناجائز طور پر گھر میں لایا ہے تو اسے سمجھایا جائے کہ بیٹی یا بیٹے! ایسی چیزیں جائز نہیں ہوتیں اور ان کو لینا یا گھر میں لانا برائی کی بات ہے۔ پھر اس وقت پیار سے اسے ساتھ لے کر اس موقع پر لے جائیں جہاں سے وہ کوئی چیز لایا ہو اور پھر وہ اس جگہ ڈلوائیں یا پھنکوائیں جہاں سے وہ لی گئی ہے۔ اور آخر میں کہیں کہ یہ چیز تمھاری بھی نہیں، ہماری بھی نہیں۔ لہٰذا نہ تم لے سکتے ہو، نہ ہم گھر میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمارے خدا اور رسولؐ کی تعلیم کا ایک نکتہ ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا نام چوری ہے۔

بعد کے دو بڑے سبق

ایک بڑا سبق یہ ہے کہ ہمارے نبی پاکؐ کی تعلیم و تاکید یہ ہے کہ ہم صفائی کی زندگی بسر کریں۔ ہمارے جسم صاف ہوں، غسل کی عادت ہو۔ بار بار وضو سے اعضائے ظاہر کی صفائی کرتے رہیں۔ دانتوں کو مسواک، برش یا پاؤڈروں وغیرہ سے صاف کریں، بالوں کو دھو کر کنگھی کر کے پراگندگی سے بچائیں۔ حجامت مناسب وقت پر ہو، کپڑے دھلے ہوئے اور بے داغ ہوں، بٹن درست ہوں، ناخن کٹے ہوں، آنکھو کو چیپڑے سے صاف کیا جاتا رہے، کانوں کے باہر میل کے داغ ہوں تو صاف کر دیے جائیں۔ جوتوں اور جرابوں کو صاف رکھنے کے لیے یہ

---

[۱] ''اچھے اسکول'' کا اطلاق بھی بگڑے ہوئے ماحول کے لوگ ایسی تعلیم گاہوں پر کرنے لگے ہیں جو ایمان اور اخلاق کے لیے غارت گر ہوں اور آدمی میں مسلمان ہونے بلکہ دوسرے انسانوں کا خادمِ انسان ہونے کا شعور باقی نہ رہے۔

ضروری ہے کہ پاؤں دھونے کے بعد خشک کر کے ڈالے جائیں اور جوتوں میں کبھی مٹی جمع نہ ہونے دی جائے، جوتوں کی پالش باقاعدگی سے ہو اور ذرا بھی کہیں سے جوتا ٹوٹنے لگے، فوراً اسے درست کرالیا جائے۔ بستر صاف ہو، کمرہ صاف ہو، کھڑکیوں کے شیشے صاف ہوں، کمرے کا فرنیچر اور فرش صاف ہو، آنگن اور گلی کی صفائی کا انتظام ہو، کوڑے اور گندگی کو یوں ہی برسرِ عام نہ پھینکا جائے، بلکہ ڈرموں وغیرہ میں ڈالنے کا انتظام ہو۔ جن پھلوں کے کوڑے سے سڑاند اور بدبو اُٹھ کر پھیلتی ہو ان کو سیلوفین یا پولیتھین کے لفافوں میں بند کر کے کوڑے کے ڈرم میں ڈالنا چاہیے یا پاس رکھ دینا چاہیے۔ اگر بدبو پھیل کر دوسروں کو اذیت دیتی ہے تو اذیت رسانی گناہ ہے۔

اس صفائی کے ساتھ شائستگی کے چند ضروری امور شامل ہیں۔ ہر بچے کے پاس رومال ہونا چاہیے تاکہ کھانسی یا چھینک آنے پر اسے استعمال کیا جائے۔ کھانا راستوں میں چلتے پھرتے نہیں کھانا چاہیے۔ ہر چیز گھر میں لاکر یا کم سے کم کسی معقول ہوٹل میں بیٹھ کر کھانی چاہیے۔ ڈکار آئے تو منہ بند کر کے ناک سے اس کی ہلکی سی آواز نکلنے دینی چاہیے اور پھر بھی رومال ناک، منہ پر رکھ لینا چاہیے کہ آواز زیادہ نہ پھیلے۔ کھانسی آنے پر ہر حال میں منہ پر رومال رکھنا چاہیے، شدید مجبوری ہو تو ہاتھ رکھا جاسکتا ہے جسے بعد میں دھولیا جاسکتا ہے۔ آدمی جب کھانستا ہے تو اس کی کھانسی کی مار سامنے کی جانب چار، پانچ فٹ تک ہوتی ہے لہٰذا ایک تو کسی دوسرے کی طرف منہ کر کے نہیں کھانسنا چاہیے اور دوسرے منہ پر رومال رکھ لینا چاہیے۔ چھینک تو اور بھی وحشیانہ بلا ہے جو نظامِ جسمانی نے ہمارے لیے ناگزیر بنادی ہے۔ مگر اس کے لیے جہاں یہ آداب ہیں کہ جسے چھینک آئے وہ الحمد للّٰہ کہے اور جو پاس سننے والا ہو وہ یَرحَمُکَ اللّٰہ کہے، وہاں یہ تعلیم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ فوری طور پر الٹا ہاتھ منہ پر رکھ لیا جائے۔ آج کل اسی ضرورت کو رومال سے بھی پورا کیا جاتا ہے، بعض صورتوں کے لیے حضورؐ نے چھینک کو روکنے کے صبر آزما عمل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

دسترخوان اور پلیٹ کے بھی شائستگی کے اصول کے تحت کچھ تقاضے ہیں۔ کھانے کی مجلس کے بھی آداب ہیں۔ ہاتھ دھونے اور پانی پینے اور کھانے کے آغاز اور خاتمے کے لیے بسم اللّٰہ اور الحمد للّٰہ پڑھنے کے احکام ہیں۔

دوسرا بڑا اسبق یہ ہے کہ بچے میں یہ اسپرٹ پیدا کر دیجیے کہ اسے دوسروں کی بھلائی کے

لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہے اور یہ زندگی کی بہت بڑی نیکی اور خوبی ہے۔

اس سلسلے کا پہلا اصول حسنِ کلام ہے، چاہے زبان توتلی ہو۔ کوئی گندا لفظ بچہ نہ سیکھ لے۔ اس کے لیے گھر، مدرسے اور بستی، شہر کے مجموعی ماحول کو پاکیزہ ہونا چاہیے۔ باہر کا ماحول قبضے میں نہیں ہے، اس لیے بہت سی باتوں میں بچوں کو سمجھانا ہوگا کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد خدا کے احکام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب صورت ہدایات اور نمونۂ زندگی سے بے تعلق ہو چکی ہے، کیونکہ غلامی نے اور بُرے لوگوں نے اور شیطانی طاقتوں نے ان کو ورغلا لیا ہے۔ اب تم کو ان لوگوں کے سانچے میں نہیں ڈھلنا ہے بلکہ قرآن اور رسولِ پاکؐ کے سانچے میں ڈھلنا ہے اور بہت پاکیزہ آدمی بننا ہے تاکہ خدا تم کو پسند کرے اور اپنی بہت بڑی جنت میں تم کو جگہ عطا کرے۔ نیز تمھاری روح اس زندگی میں بھی خدا کے نور، خدا کی محبت اور روح سکینت سے بھری ہوئی رہے۔

اسے آہستہ آہستہ بتایئے کہ کس موقع پر کیسے لفظ کہنے چاہئیں، کیسے لفظوں سے پرہیز کرنا چاہیے، لہجہ کیسا ہونا چاہیے، بڑوں کے ساتھ اور چھوٹوں کے ساتھ اور دوستوں، ہم جولیوں کے ساتھ کس طرح کے تعلقات اور کیسی گفتگو ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں اجنبیوں کے بارے میں خدمت اور ادب کا اصول بھی قائم رہے گا۔ مگر احتیاط کا اصول بھی ضروری ہے۔ پانچ، سات سال کے بچے کو سکھا دینا چاہیے کہ وہ آدمی کو اس کی شکل، حلیے اور طریقِ گفتگو سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ گھر سے باہر زیادہ دور تنہا نہ جائے، کسی غیر سے کوئی چیز نہ لے، کسی کے کہنے پر اس کے ساتھ نہ چل پڑے۔ دکانوں اور خوانچوں سے گھٹیا قسم کے سودے نہ خریدتا پھرے۔ ہمیشہ بڑوں کی رہنمائی میں صاف ستھری مفید اشیاء لے۔ کسی دینی مجلس میں، عالموں کی کسی محفل میں، مدرسے کی کسی سوسائٹی میں کس طرح بیٹھے اور کس طرح حصہ لے۔ مسجد میں جائے تو کن باتوں کا خیال رکھے۔ کوئی راستہ پوچھے تو بتائے، کسی معذور کی طرف کسی دوسرے آدمی کو توجہ دلوا کر مدد دے دے۔ کوئی شریف آدمی اپنی بستی میں آکر کسی کے گھر کا پتہ پوچھے تو بتا دے، کسی پڑوسی کا کوئی سودا لا دے، کسی گھر سے کوئی پیغام دوسرے گھر کو پہنچا دے، راستے میں کہیں کانٹے یا روڑے پتھر پڑے ہوں یا کہیں گندگی ہو تو اسے ہٹا دے۔

اوپر ہم یہ بتانا چھوڑ گئے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور اسکول کے ساتھیوں سے ملے جلے تو خندہ پیشانی کو لازم رکھے، کیونکہ حضور پاکؐ کا طریقہ یہی تھا اور اس کی انھوں نے

تاکید کی اور اس کو صدقہ (نیکی کا عمل) قرار دیا۔

ایک ضروری بات یہ کہ جو لوگ دینِ پاک پر پوری طرح نہیں چل رہے ہیں، ان سے نفرت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب موقع ملے تو کوئی نہ کوئی اچھی بات ان تک پہنچا دینی چاہیے۔ دین کی اچھی باتیں پھیلاتے رہنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ بچوں کو شروع ہی سے اس کی مشق کرنی چاہیے۔ اس فریضۂ دعوت کو ادا کرنے کا مظاہرہ بڑوں کو اولادوں کے سامنے کرتے ہوئے یہ خواہش اور امید رکھنی چاہیے کہ وہ اس سے کچھ مفید اثر لیں گے۔

دوسروں کے ساتھ رابطوں کے سلسلے میں عمر کے مختلف مدارج میں ان کو یہ سمجھانا چاہیے کہ وہ راستہ کس طرح چلیں۔ عام اچھل کود اور شور شرابے کی مشق تو وہ کھیل کی مقررہ جگہوں پر کریں۔ لیکن راستوں میں آتے جاتے ہوئے ترتیب اور سکون اور سلیقے سے چلیں، چلنے میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایسی چوڑی قطار چند بچے مل کر نہ بنالیں کہ سارے راستے کو روکنے کا باعث ہوں۔ نیز ہر فرد یہ دیکھے کہ سامنے سے کون آرہا ہے اور وہ کدھر سے گزرے گا، اس کے لیے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو جائیں۔ خصوصاً بڑوں کے معاملے میں یہ اہتمام کریں کہ ان کے آگے سے ہو کر نہ گزریں، یا جوتے پہنتے وقت ان کو پیچھے نہ کھڑا رہنے دیں، اسی طرح کسی بھی جگہ، مثلاً دکان پر سودا لیتے ہوئے، ویگن پر سوار ہوتے یا سیٹ لیتے ہوئے یا بیسن میں ہاتھ دھوتے ہوئے یا کھانا نکالتے یا شروع کرتے ہوئے بزرگوں کا خیال رکھیں اور ساتھ ہی خواتین کو سہولت پہنچائیں۔ وہ کسی جگہ ہوں، کسی مجلس میں، کسی عمارت میں یا راستہ چلتے ہوئے، بے جا شور نہ مچائیں، آپس میں ہاتھا پائی نہ کریں۔

تعلیمی کام

پڑھائی کا خاص خیال رکھیں، مقررہ وقت پر ساری دلچسپیاں چھوڑ کر اپنا کام مکمل کریں۔ کتابوں اور کاپیوں کو صاف رکھیں۔ روشنائی بیگ یا کتابوں پر یا کپڑوں پر نہ گرنے دیں، کاپیوں پر زیادہ کاٹ چھانٹ نہ کریں، قلم دوات کو صاف ستھرا رکھیں۔ سیاہی بھرنے کے بعد دوات کا ڈھکن بند کر دیں۔ پنسل کو بنا کے رکھیں۔ پنسلیں اور بال پوائنٹ قلم دو چار ہونے چاہئیں۔ رف کاغذ یا رف کاپی الگ رکھنی چاہیے۔ لکھنے کا کام کپڑوں پر، جسم پر، دیواروں پر،